قومی اسمبلی کے فورم اور سپریم کورٹ کے ریفرنس کے بغیر نافذ کرنا آئین، قائداعظم کے نظریۂ پاکستان اور شہریت کے بین الاقوامی تصور کے نہ صرف منافی ہوگا بلکہ دنیا بھر میں وطنِ عزیز کی رُسوائی اور جگ ہنسائی کا سبب بننے کے ساتھ ساتھ پاکستان کے شہریوں میں امتیازی سلوک اور اقلیتوں کو قومی سطح پر دوسرے درجے کے شہری قرار دینے کے جُداگانہ طریقِ انتخاب کے بعد ایک اور سازش تصوّر کیا جائے گا جس کے دُوررس نتائج برآمد ہوں گے جو ملک و قوم کی بقاء اور سالمیت کے منافی ہوں گے اور اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو کل یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ غیر مسلم شہری اپنے نام اور لباس بھی اکثریتی شہریوں سے مختلف رکھیں اور اُن کی بستیاں بھی الگ بنائی جائیں اور یوں یہ سلسلہ چل نکلا تو وطنِ عزیز میں اقلیتوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جائے گا۔ [جب] کہ پہلے ہی ملک کو بنیاد پرست عناصر کبھی خالص سُنی سٹیٹ بنانے کی باتیں کرتے ہیں، کبھی اہلِ تشیع کو کافر قرار دیتے ہیں، کبھی احمدیوں کو کلیدی عہدوں سے نکال باہر کرنے کی باتیں کرتے ہیں، کبھی مسیحیوں کو امریکی پالیسیوں کا ذمّہ دار قرار دیتے ہیں۔ الغرض وطنِ عزیز میں قومیت کے مسلم اور غیر مسلم تصور سے استحکامِ پاکستان بلکہ بقائے پاکستان کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے لہٰذا پاکستان کے روشن خیال اور قوم پرست طلقوں کا یہ فرض ہے کہ وہ مذہب کے حوالے سے مبیّنہ قومی تشخص کے حوالے سے قومی شناختی کارڈ پر مذہب کے اندراج کے حوالے سے پیدا ہونے والے محرکات اور عوامل و عواقب کا سنجیدگی سے جائزہ لیں اور صدرِ پاکستان کی غیر آئینی ہدایات پر عمل درآمد کے عمل کی راہ میں دیوار بن جائیں تاکہ پاکستان فرقہ واریت اور امتیازی سلوک کی گہری دلدل میں گرنے سے بچ جائے۔ (پندرہ روزہ شاداب، لاہور۔ ۲۹ فروری ۱۹۹۲ء)

مسیحی برادری میں اتحاد اور یک جہتی کا فقدان کیوں؟

[جناب عنایت ارشد نے "تلخ و شیریں" کے زیرِ عنوان مسیحی برادری میں اتحاد اور یک جہتی کے فقدان اور جناب جے۔ سالک کے ساتھ ہونے والی زیادتی میں مسیحی سیاسی و دینی رہنماؤں کی طرف سے خاموشی پر اظہار خیال کیا ہے۔ برادری میں یک جہتی کے فقدان کے سلسلے میں ان کے خیالات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔]

"مسیحیوں کی بیشتر آبادی محنت کشوں پر مشتمل ہے۔ ان محنت کشوں کو حالات وواقعات نے تعلیم کے میدان میں آگے بڑھنے کا موقع نہیں دیا۔ ان کی پچاس فیصد آبادی بے روزگاری کا شکار ہے، اس آبادی کا ایک چھوٹا سا حصہ قدرے خوشحال اور مطمئن ہے۔ ان میں ایک تو سیاست دان اور سماجی کارکن ہیں، دوسرے مذہبی پیشوا اور کلیسیاؤں سے منسلک لوگ ہیں۔ تیسرے وہ لوگ جو تعلیم، قانون اور ابلاغِ عامہ کے دیگر ذرائع سے وابستہ ہیں۔ ان تینوں گروہوں کو شمار کیا جائے تو یہ لوگ بڑی مشکل سے آبادی کا ایک فیصد حصہ ہوں گے مگر ستم ظریفی ہے کہ ان تینوں گروہوں نے مسیحیوں کے

پسماندہ طبقات پر اپنی اپنی صوابدید کے مطابق گرفت قائم کر رکھی ہے۔ اور یہ متذکرہ تینوں میدانوں میں غریب عوام کو تگنی کا ناچ نچا رہے ہیں اور غریب عوام کو اتحاد و یک جہتی کا درس دینے کے باوجود ان کو کسی مرحلے پر یک جا نہیں ہونے دیتے۔

سیاست کے میدان میں جُداگانہ طریقِ انتخاب کے باعث ریاست کے اندر ایک چھوٹی سے ریاست قائم ہو گئی ہے۔ جس طرح آج کے دور میں ملکی سطح پر سیاست روپے پیسے کا کھیل بن گئی ہے اسی طرح اقلیتوں کی چھوٹی ریاست میں الیکشن اور نام نہاد نمائندگی نے بھی اسے سرمائے کا پابند بنا دیا ہے۔ حقائق ہمارے سامنے ہیں کہ ہمارے نمائندوں نے الیکشن میں کامیابی عوام کی خدمات کے باعث حاصل نہیں کی بلکہ انہوں نے کامیابی سرمائے، کلیسیائی اثر و رسوخ اور غلط روّیوں کے باعث حاصل کی۔ ان وفاقی اور صوبائی نمائندوں کے اعمال و کردار کا تجزیہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہمارے نمائندے عوام کو اتحاد اور یک جہتی کا درس تو دیتے ہیں مگر عملی سیاست میں ہر ایک نے اپنی اپنی علیحدہ سیاسی جماعت بنا رکھی ہے اور عوام کو کسی مرحلے پر یکجا نہیں ہونے دیتے اور ایک کے علاوہ یہ تمام کے تمام نمائندے غریب عوام کا حقِ نمائندگی ادا کرنے کی بجائے اپنے اپنے حلقۂ نیابت میں حکوت کی طرف سے دیئے گئے فنڈز کو بے دریغ خرچ کر کے آئندہ الیکشن کے لیے اپنے اپنے قلعے مضبوط کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ راقم کو اسلام آباد میں ایک اجتماع میں وزیرِ اقلیتی امور سے شرف ملاقات حاصل ہوا تو ان سے پوچھنے کی جسارت کی کہ کیا وجہ ہے کہ آپ وزیر ہونے کے باوجود ملک کے دوسرے حصوں میں دلچسپی لینے کی بجائے اپنے شہر تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں تو انہوں نے بغیر کسی جھجک کے برملا کہا کہ ان کے حلقہ میں ۳۵، ۴۰ ہزار کے لگ بھگ ووٹ ہیں جن کے باعث انہیں اپنی توجہ کا محور اپنے حلقۂ نیابت کو بنانا پڑتا ہے۔ وزیرِ اقلیتی امور کے علاوہ اگر ہم دوسرے نمائندگان کی طرف نظر کریں تو ان کے اعمال اور کردار کی روشنی میں بھی ہمیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ تمام حضرات بھی اپنے اپنے شہروں اور آبائی حلقوں میں تعمیر و ترقی کے منصوبے بنا کر عوامی سرمایہ خرچ کر رہے ہیں۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سرمائے کے کھیل نے ان کو اس قدر بے حس اور سیاسی شعور سے نابلد کر دیا ہے کہ یہ لوگ عوام کی نمائندگی کرنے کی بجائے اپنے اپنے مفادات کے اسیر ہو کر رہ گئے ہیں۔ لہٰذا اس طرح جُداگانہ طریقِ انتخاب نے عوام سے اُن کا حقِ نمائندگی چھین لیا ہے اور ان نام نہاد نمائندوں نے ان کو گروہوں اور ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا ہے لہٰذا اس مرحلے پر اتحاد و یک جہتی کا خواب دیکھنا دیوانے کی بڑ کے مترادف ہوگا۔

کلیساؤں میں بھی صورتِ حال مختلف نہیں ہے۔ کلیسیائی رہنما آپس میں دست بہ گریبان ہیں۔ ایک دوسرے کی پگڑی اُچھالنے میں مصروفِ عمل ہیں۔ عوام سے ان کا رابطہ اور تعلق گرجا گھر کی چار دیواری تک محدود ہوتا ہے۔ گرجا گھر سے باہر ان کا تعلق جنازے اور نکاح تک ہے۔ اس کے آگے ان کا عوام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ منبر پر کھڑے ہو کر مذہبی پیشوا بھی بڑے طمطراق سے محبت اور اتحاد و یک جہتی کا درس دیتے ہیں مگر منبر سے اُترنے کے بعد ان کے مشاغل اپنے اپنے حریفوں کو

پچھاڑنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ غریب عوام کے لیے ان پیرانِ کلیسیا کا یہ رویہ نہایت تکلیف دہ ہوتا ہے کہ یہ پیشوا اپنے اپنے طبقے سے منسلک رہتے ہیں اور کسی مرحلے پر بھی یہ اپنے طبقاتی اور جماعتی کردار سے روگردانی نہیں کرتے۔ ظلم تو یہ ہے کہ جو لوگ دوسرے مذاہب سے مسیحیت قبول کرتے ہیں وہ زندگی بھر غریب عوام سے الگ تھلگ رہتے ہیں اور شادی بیاہوں میں بھی ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ رشتے ناطے ان لوگوں سے کریں جو اعلیٰ حسب و نسب کے حامل ہوں۔

تیسرے گروہ کے لوگ جو تعلیم، قانون اور ابلاغِ عامہ کے ذرائع سے منسلک ہیں۔ ان میں کچھ دردمند لوگ بھی شامل ہیں۔ ان میں کچھ لوگ اپنے وسائل کی کم مائیگی کے باعث خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں اور کچھ لوگ مقدور بھر اپنی اپنی کوششوں کو عملی جامہ پہنا کر جھیل کے ساکن پانی میں کبھی کبھی ایک کنکر پھینک کر مطمئن ہو جاتے ہیں مگر کچھ حضرات بھرپور طریقے سے اصلاحِ احوال کے لیے جدوجہد کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی بدولت سیاسی، سماجی، مذہبی اور طبقاتی بنیادوں پر اکثر ہنگامہ آرائی دیکھنے میں آتی رہتی ہے اور پاکستان میں ان کا دم غنیمت ہے۔ ذرائع ابلاغ سے منسلک صحافی، ادیب، شاعر بھی اپنا اپنا مثبت کردار ادا کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں مگر جب یہ حضرات بھی کبھی کبھی اپنی انا کے حصار میں مقید ہو کر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے مشن پر نکل کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ انسانی زندگی میں ابلاغِ عامہ ایک نہایت ہی جاندار اور مؤثر شعبہ ہے۔ شاعر، ادیب اور صحافی وسیع القلب اور حسّاس ہوتے ہیں۔ انہیں اپنی نمود و نمائش سے بالاتر ہو کر عوام کی فلاح و بہبود کے لیے قلم کی طاقت کو استعمال کرنا چاہیے۔ یہی حضرات سیاسی، مذہبی اور سماجی تنظیموں میں غلط کار لوگوں کی ناک میں نکیل ڈال سکتے ہیں اور عوام الناس میں اتحاد و یک جہتی کا بیج بونے کی استطاعت رکھتے ہیں بشرطیکہ ان کی اپنی صفوں میں اتحاد ہو۔ (پندرہ روزہ شاداب — فروری ۱۹۹۲ء)

نعمت احمر کے قتل کے سلسلے میں

پاکستان انٹر ریلیجس ڈائیلاگ ایسوسی ایشن کے زیرِ اہتمام ۳۰ جنوری کو ڈومینیکن سنٹر لاہور میں نعمت احمر کے قتل کے حوالے سے پیدا شدہ صورتِ حال پر ایک تقریب ہوئی۔ جس میں نذیر قیصر مدیر "عہد نامہ" مہمان مقرر تھے۔ انہوں نے نعمت احمر کے قتل اور اس کے محرکات پر روشنی ڈالی۔ بعد میں انہوں نے مسجد اقصیٰ پر اپنی نظم سنائی نیز بتایا کہ وہ "رسول اکرم کو نبی برحق" تصور کرتے ہیں۔ انہوں نے چالیس نعتیں لکھی ہیں جو عنقریب کتابی صورت میں شائع ہوں گی۔

انٹر ریلیجس ڈائیلاگ ایسوسی ایشن کے وائس پریذیڈنٹ جناب حسن معزالدین اور تقریب کی چیئر پرسن ڈاکٹر سعیدہ خاور چشتی نے نذیر قیصر کی روئیوں کے تعریف کی۔ اُنھوں نے کہا کہ اس قسم کے